ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی

امت مسلمہ کا علمی وفکری ارتقا

اسوۂ حسنہ کی روشنی میں

دنیا میں انسانی زندگی کا آغاز علم کی بھرپور روشنی سے ہوا

انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک اعلیٰ اور اہم مقصد کے لیے پیدا کیا، اسی لیے دنیا میں انسانیت کا آغاز بہت جامع اور ہمہ گیر تعلیم کے ذریعے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم وحوا کو پیدا کر کے جنت میں رکھا جہاں جسم وروح دونوں کی غذا کا مکمل سامان موجود تھا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کے ذریعے انسانوں کے اس پہلے جوڑے نے بہت کچھ سیکھا ہوگا، نیز ملائکہ کی صحبت سے بہت کچھ استفادہ کیا ہوگا۔ خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان اور اس کی توحید کا یقین، اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی نعمتوں کا مشاہدہ، اس کی عبادت اور اس کی تسبیح وتقدیس کا طریقہ سب کچھ انہیں بہ راہ راست جنت کے مکتب میں حاصل ہوا۔

جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجنے کا ارادہ کیا تو حضرت آدم علیہ السلام کو وہ تمام علوم عطا فرمائے، جو دنیا میں بہتر اجتماعی زندگی گزارنے کے لیے ضروری تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطرتاً معاشرت پسند بنایا ہے۔ وہ اجتماعی نظم میں تحفظ اور سکون محسوس کرتا ہے۔ اس عمرانی اور فطری تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے خلافتِ ارضی کی ذمے داری سونپی، اور مقاصد خلافت کو پورا کرنے کے لیے اسے وہ تمام علوم عطا فرمائے جو انسانی اجتماع اور معاشرتی استحکام کے لیے ضروری تھے۔(۱) اس طرح حضرت آدم علیہ السلام دونوں قسم کے علوم کے جامع ہو گئے، انہیں ان علوم کا فہم وادراک بھی حاصل تھا جو قلب وروح کی بالیدگی کے لیے ضروری تھے، اور جن کی بنیاد پر ایک اعلیٰ تہذیب قائم ہوتی ہے، اور ان علوم پر بھی قدرت حاصل تھی جن کی وجہ سے معاشرتی زندگی

میں استحکام پیدا ہوتا ہے اور انسانی معاشرہ ارتقائی مراحل طے کرتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا اور وحی کے ذریعے ان کی رہ نمائی فرمائی، اس طرح انسانی معاشرے کے ارتقا میں حضرت آدم علیہ السلام نے جہاں انسانوں کی رہ نمائی علم الحواس، عقل، تجربے اور مشاہدے کے ذریعے کی، وہاں وحی الٰہی کی بھی مسلسل رہ نمائی حاصل رہی، عقل ونقل یا دل ودماغ کے اجتماع سے جہاں علمی وفکری ارتقا ہوتا ہے وہاں عمل وکردار اور رویوں میں بھی استحکام پیدا ہوتا ہے۔ یہی ایک راستہ ہے، جسے اپنا کر اعلیٰ تہذیب اور عمدہ تمدن کو قائم کیا جاسکتا ہے۔

علم کے ذرائع

قرآن حکیم میں علم کے تین ذرائع کا تذکرہ ملتا ہے۔

ان میں سب سے اہم ذریعہ وحی الٰہی ہے، یہ علم قطعی کا ذریعہ ہے جو الکتاب، صحف اور الواح کی صورت میں صرف انبیا علیہم السلام کو عطا کیا جاتا ہے۔

دوسرا ذریعۂ علم، علم الاَثر یا علم الآثار ہے، یہ وہ روایتی اور تاریخی علم ہے، جو علمی حقائق اور دلیل پر مبنی ہو، محض وہم وگمان پر مبنی نہ ہو۔ ابن کثیر علم الاثر کے بارے میں لکھتے ہیں:

علم صحیح توثرونہ عن احد ممن قبلکم (۲)

یہ وہ درست روایت ہے جسے آپ پہلے لوگوں سے نقل کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا دونوں ذرائع علم کی طرف سورہ احقاف کی درج ذیل آیت میں توجہ دلائی گئی ہے:

اِئْتُونِي بِكِتَابٍ مِّن قَبْلِ هَٰذَا أَوْ أَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (۳)

اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس سے قبل نازل شدہ کتاب سے کوئی دلیل لاؤ یا کوئی علمی روایت پیش کرو۔

علم الآثار کی طرف قرآن حکیم کی بہت سی آیات میں واضح اشارات ملتے ہیں، جو ہمیں اس علم سے استفادہ کرنے اور منتفع ہونے پر آمادہ کرتے ہیں۔

مثلاً سورہ روم کی اس آیت مبارکہ پر غور کیجیے:

فَانظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (۴)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار کو دیکھیے، وہ زمین کو مردہ ہونے کے بعد کیسے زندہ کرتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بارش کو اپنی رحمت قرار دیا ہے اور پھر اس رحمت کے آثار میں غور وفکر کی دعوت دی ہے، بارش کے آثار ظاہری طور پر تو نمایاں نظر آتے ہیں کہ کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں، ہر طرف سبزہ، پھل پھول اور پودے رونق بخش رہے ہوتے ہیں، سوکھے ہوئے درختوں میں نئی زندگی آجاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لیے معیشت ورزق کا سامان تیار ہو رہا ہوتا ہے۔

پھر ان ہی آثار سے اللہ تعالیٰ حیات بعد الممات پر استدلال فرماتے ہیں:

إِنَّ ذَٰلِكَ لَمُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۵)

بے شک وہی مردوں کو زندگی دینے والا ہے، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے حصولِ علم کے لیے ایک اسلوب استدلال کی تعلیم بھی دے دی۔ اس طرح کا عقلی استدلال بھی حصول علم کا ذریعہ ہے۔

سیاحت وسفر بھی حصول علم کا ذریعہ ہے۔ انسان کو یہ موقع ملتا ہے کہ وہ سفر کے دوران آثار رحمت ونعمت کا مشاہدہ بھی کرتا ہے، اور تباہی وبربادی کے آثار کا بھی مشاہدہ کرتا ہے۔ سورۂ مومن کی مندرجہ ذیل آیات کا مطالعہ کیجیے:

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِن قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ (۶)

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جو یہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے گزرے لوگوں کا انجام کیسا ہوا، حال آں کہ وہ لوگ ان سے زیادہ قوت وطاقت کے مالک تھے، اور زمین پر انہوں نے اپنے آثار بھی خوب چھوڑے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کے سبب اپنی گرفت میں لے لیا۔

اسی سورہ مبارکہ کے اخیر میں ہے:

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ (۷)

کیا ان لوگوں نے زمین پر سیر و سیاحت نہیں کی کہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیا ہوا، حال آں کہ وہ لوگ تعداد میں بھی زیادہ تھے، قوت و طاقت بھی زیادہ رکھتے تھے، زمین پر اپنی یادگاریں (آثار) بھی خوب چھوڑ گئے، لیکن (تمام قوت و کثرت اور آثار) ساری کمائی ان کے کچھ بھی کام نہ آئی۔

ان آیات مبارکہ میں تاریخی آثار سے علمی استدلال پیش کیا گیا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بڑی بڑی پر شوکت حکومتیں اپنی عددی کثرت اور دفاعی صلاحیت وقوت کے باوجود تباہ و برباد ہوئیں، ان کی پر شوکت عمارتیں، مضبوط قلعے اور محلات بھی کسی کام نہ آئے، اس لیے کہ انہوں نے اعمال وکردار کو نظر انداز کر دیا، وہ اعمال وکردار جو ایک پاکیزہ اور مہذب معاشرہ تشکیل کرتے ہیں، ان ہی کی بنیاد پر تمدن کو استحکام حاصل ہوتا ہے۔ انبیائے علیہم السلام قوی اور راسخ علم کی بنیاد پر عملی زندگی اور کردار سازی کا جامع پروگرام پیش کرتے ہیں، تاکہ انسان اپنی تمام صلاحیتوں اور قوتوں کا ٹھیک استعمال کر سکے۔

ان آیات میں تاریخ کے مطالعے کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے اور علم الآثار کے مطالعے کی طرف بھی۔ قدیم اقوام کے تمدنی آثار، ان کے رہائشی مکانات و عمارتوں کے کھنڈرات، ان کے بنائے ہوئے دفاعی قلعے اور گڑھیاں تباہ شدہ اقوام کے بارے میں بہت کچھ خبر دیتے ہیں، للہذا اس علم سے ضرور استفادہ کرنا چاہیے، لیکن علم الآثار سے استفادہ کرتے ہوئے عقلی استدلال کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اسی لیے قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر عقلی استدلال کو پیش کر کے اس کی علمی افادیت کو بھی اجاگر کر دیا۔

تیسرا ذریعہ علم انسانی حواس و عقل ہیں۔ انسان اپنے حواس، مشاہدے، تجربے اور عقل وفہم کے ذریعے بہت کچھ جانتا اور سیکھتا ہے۔ قرآن حکیم نے اس ذریعہ علم کو بھی بہت ضروری قرار دیا ہے، انسانی معاشرے کے ارتقا اور استحکام کے لیے اس ذریعۂ علم کو بہت غور وفکر اور احتیاط کے ساتھ استعمال کرنا چاہیے۔

ذرائع حواس کے استعمال اور ان سے بھرپور انداز میں صحیح کام لینے کی طرف قرآن حکیم کی متعدد آیات میں توجہ دلائی گئی ہے۔ ہم نے یہاں صرف ایک دو آیات پر ہی اکتفا کیا ہے، ارشاد باری ہے:

وَاللهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالأَبْصَارَ وَالأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○ (۸)

اللہ تعالیٰ تمھیں بطن مادر سے باہر لایا، تو اس وقت تم کچھ نہیں جانتے تھے، لیکن اس نے تمھیں سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائی، تاکہ تم اس کے شکر گزار بنو۔

دنیا میں قدم رکھتے ہی انسان کے تمام حواس کام کرنے لگتے ہیں اور انسان خاص طور پر سمع و بصر اور عقل وفراست کو استعمال کرنے لگتا ہے۔ اس طرح ہر گزرنے والے لمحے اور وقت کے ساتھ اس کے علم، تجربے اور صلاحیت وفہم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ماحول انسانی حواس اور فکر پر بہت اثر انداز ہوتا ہے، اس لیے دین کا تقاضا یہ ہے کہ ماحول اور تربیت کا خاص اہتمام رکھنا چاہیے، اس کے لیے والدین اور گھر کے بزرگ ذمے دار ہیں۔

آخری امت کا پہلا سبق

انسانیت کا آغاز تو ہزاروں برس قبل حضرت آدم علیہ السلام کی دنیا میں آمد کے ساتھ ہو چکا تھا، لیکن اس سرزمین پر انسانی معاشرے کا آغاز وارتقا ان علوم وفنون کے ساتھ ہوا جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے رسول پر القا فرمائے تھے۔ علوم وفنون کے ارتقا میں عہد آدم سے لے کر آخری رسول ﷺ کی بعثت تک انسانی عقل وتجربے نے کیا کردار ادا کیا، یہ اس وقت ہمارا موضوع بحث نہیں ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بہ ذریعہ وحی ان علوم وفنون میں ضرور اضافہ ہوتا رہا ہے۔

خاتم الأنبیاء حضرت محمد ﷺ پر پہلی وحی کے ذریعے سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات نازل ہوئیں۔ ان پانچ آیات نے امت پر علم کی اہمیت اور منزل کا تعین کر دیا تھا۔ یہ اس پہلی وحی کا اعجاز تھا کہ عرب نہ صرف دور جاہلیت سے نکلے، بل کہ چند سالوں میں علوم وفنون میں کمال پیدا کر کے دنیا بھر کو علم وحکمت اور آگہی سے روشناس کرنے لگے۔

پہلی وحی کا آغاز اقرأ کے لفظ سے ہو رہا ہے۔ اقرأ امر کا صیغہ ہے، اس کے ذریعہ پڑھنے کا حکم دیا جا رہا ہے، لہٰذا پڑھنا واجب ہے کہ یہ حصول علم کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ امت کو پہلا سبق یہ دیا جا رہا ہے کہ پڑھیے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ صرف خود پڑھنے کے مفہوم میں ہی نہیں آتا، بل کہ دوسروں کو پڑھ کر سنانے کے مفہوم میں بھی آتا ہے۔ (۹) اس لیے کہ پڑھ کر۔ نانا بھی تعلیم کا ذریعہ ہے۔

سورہ علق کی پانچ آیات میں تعلیم و تعلم سے متعلق تمام ضروری چیزوں کو بیان کر دیا گیا ہے۔ اس میں قرأت (پڑھنا تعلیم، اس کے مفہوم میں تربیت بھی شامل ہے) قلم، کتاب، بحث و تحقیق دریافت وایجاد سب ہی شامل ہیں۔

قرآن کریم فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔عربی زبان میں بلاغت کا یہ اسلوب معروف ہے کہ جہاں مفعول معلوم اور واضح ہو، وہاں اس کو ذکر کرنا بلاغت کے خلاف ہے۔عربی زبان اور خود قرآن حکیم میں ایسی بہت سے مثالیں موجود ہیں، یہاں اقرأ کا مفعول الکتاب ہے، جو لفظاً محذوف ہے اور معناً موجود ہے۔پہلی وحی کے آغاز میں الکتاب یعنی قرآن حکیم پڑھنے کا حکم دیا جارہا ہے۔حکمِ الٰہی کے مطابق جب اہل ایمان قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہیں اور اس میں غور وفکر کرتے ہیں تو انہیں بار بار دو چیزوں کے مزید مطالعے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے، ایک ''الکون'' یا ''آفاق'' اور دوسرے ''اُنفس''، یعنی انسان کو چاہیے کہ وہ اس ساری کائنات کو اپنے مطالعے اور غور وفکر کا محور بنائے اور خود انسان کی ذات بھی ایک مکمل کائنات ہے، لہٰذا اپنی ذات میں بھی غور وفکر کرے، دونوں میں اسے بے شمار آیات نظر آئیں گی۔قرآن حکیم جہاں آیات کا ذکر کرتا ہے، وہاں بہت سارے علوم مستور ہوتے ہیں، ان علوم کو دریافت کرنا اور ان سے استفادہ کرنا انسانی معاشرے کے ارتقا اور تہذیب کے لیے ضروری ہے۔(۱۰) قرآن حکیم نے صرف لفظ اقرأ کہہ کر تمام علوم وحی اور علوم عقلیہ وفنون وغیرہ کے حصول کو واجب قرار دے دیا۔

بِاسْمِ رَبِّكَ، با استعانت کے لیے ہے۔اہل ایمان کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ ہر اچھا کام بسم اللہ پڑھ کر شروع کریں۔قرآن حکیم کلام الٰہی ہے، جو علم کا بہت بڑا خزانہ ہے۔اس سے علم ونصیحت حاصل کرنے کے لیے جب پڑھنے کا آغاز کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نام اور ان کی اعانت کے ساتھ کیجیے، اس لیے کہ حصولِ علم کا راستہ بہت کٹھن اور دشوار گزار ہے۔علم کی شاہ راہ تو وہ شاہ راہ ہے، جو طالب علم کو ذاتِ علیم وخبیر سے مربوط کرتی ہے۔اس لیے شیطانی قوتیں گھات لگا کر رکاوٹیں پیدا کرتی ہیں۔اس راہ میں نہ صرف صبر وتحمل، عزم واستقامت کی ضرورت ہے، بل کہ اللہ تعالیٰ کی مدد واعانت کی بھی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت وتعلیم کی راہ میں بہت مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ شامل حال رہی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی صبر وتحمل اور استقامت کے ساتھ ہر مشکل کا مقابلہ کیا اور بالآخر امت کو فلاح وسعادت اور کامیابیوں سے ہم کنار

کیا۔

اسم کی اضافت رب کی طرف ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ربوبیت کی صفت استعمال کی ہے۔ رب کے لفظ میں رحمت کا عنصر شامل ہے۔ رب وہ ہستی ہے جو انتہائی شفیق و مہربان ہو، جو بالکل آغاز سے کمال اور انتہا تک مکمل پرورش اور نگہ بانی کرے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا فرد کی تعلیم و تربیت کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ربوبیت کے ساتھ دوسری صفت خلق بیان کی ہے۔ اس صفت کو یہاں بیان کرنے کا اصل مقصد تو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تخلیق کا اظہار ہے۔ خلق کا اصل مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کو بغیر کسی نمونے اور بغیر کسی مثال کے عدم سے وجود میں لایا جائے۔ تخلیق کا یہ عمل صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے وجود پذیر ہوتا ہے۔ دنیا میں کوئی اور ایسی مخلوق نہیں ہے، جو حقیقی مفہوم میں تخلیق کا عمل کر سکے۔ اسی لیے علما نے ہمیشہ بہت احتیاط سے کام لیا ہے۔ وہ عام طور پر خلق کا لفظ غیر اللہ کے لیے استعمال نہیں کرتے، اگر چہ یہ لفظ خام مواد کو لے کر کسی چیز کو بنانے اور مختلف چیزوں کو ملا کر ایک نئی شکل دینے کے مفہوم میں بھی آتا ہے۔ اندازے اور قیاس کے ذریعے کسی چیز کو نئی شکل وصورت (shape) دینا بھی اس کے لغوی مفہوم میں شامل ہے۔ اس مفہوم میں یہ لفظ غیر اللہ کے لیے استعمال ہو سکتا ہے۔(۱۱)

پہلی وحی جس میں پڑھنے اور اور حصول علم میں منہمک ہونے کا حکم دیا جا رہا ہے، اسی وحی میں اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے۔ دوبارہ خلق کا لفظ استعمال کر کے انسان کی توجہ تخلیق کی طرف بھی دلائی گئی ہے۔ جس طرح اس کائنات میں بے شمار عجائبات اور توحید کے دلائل موجود ہیں، اسی طرح انسان بھی ایک مکمل کائنات کی حیثیت رکھتا ہے، انسان کی ذات میں بھی غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے کہ انسان میں بہت سے شواہد و دلائل ملتے ہیں، جو خالق و مالک کی قدرت اور اس کی الوہیت پر شاہد ہیں۔ آفاق و انفس میں غور وفکر سے علم میں وسعت پیدا ہوتی ہے جو ان آیات کا اصل مقصود ہے۔

دوسرے یہ کہ انسان میں ایجاد، دریافت اور نفع مند چیز بنانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ علمی وسعت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نئی نئی ایجادات، نئے افکار وفنون، نئی دریافت اور نئی نئی صنعت و حرفت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ انسان اپنی تخلیقی (innovative) صلاحیتوں اور اپنے علم کو استعمال کر کے یہ فریضہ انجام دے سکتا ہے۔ نفع مند اشیا کو دریافت کرنا اور بنانا مطلوب بھی ہے، محمود بھی

ہے۔(۱۲)

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں بے شمار چیزیں اور نعمتیں پیدا فرمائی ہیں، ان میں کچھ چیزیں ہمارے مشاہدے اور علم میں آچکی ہیں، لیکن ابھی تک بے شمار چیزیں ایسی ہیں جن تک انسان کی رسائی نہیں ہوسکی، نہ ہی وہ دریافت ہوسکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ وہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی آیات کی دریافت وجستجو میں لگ جائے، صنعت وایجاد کے عمل کو تیز کرے اور ان نعمتوں کو دریافت کرنے کی کوشش کرے، جو ابھی تک دریافت نہیں ہوئیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی بہت سی قوتوں کو انسان کے لیے مسخر کردیا۔ ان کے کچھ فوائد تو وہ ہیں جن سے انسان صدیوں سے فائدہ اٹھارہا ہے، مگر ان میں زیادہ تر فوائد وہ ہیں جن سے فطرت بہ راہ راست انسان کو فائدہ پہنچارہی ہے، لیکن مزید ایسے مستور فوائد بھی ہیں، جنھیں انسان اپنے علم وفکر اور محنت سے دریافت کرکے اپنی ضروریات کو پورا کرسکتا ہے۔ مثلاً چاند، ستارے، سورج، ہوا، پانی وغیرہ سب انسان کے لیے مسخر کیے گئے ہیں۔ ان کے بہ راہ راست فوائد سب کو مل رہے ہیں، لیکن ان تمام اشیا میں ایسے بے شمار خزانے بھی ہیں، جن سے انسان ابھی تک فائدہ نہیں اٹھا سکا۔ اس کائنات میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو بے پناہ توانائی کا منبع ہیں۔ جن سے وہی لوگ استفادہ کرسکتے ہیں جو علم وتحقیق کے ذریعے توانائی کے حصول کے طریقوں کو دریافت کرسکیں گے۔

پہلی وحی کے اس سبق کا اثر تھا کہ علوم اسلامیہ کے متقدمین اہل علم نے اپنی ذہنی صلاحیتوں، اپنے مطالعے ومشاہدے کو استعمال کرتے ہوئے ہر شعبۂ علم میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا خوب مظاہرہ کیا۔ نئی دریافتوں میں بھی ان کا کردار رہا ہے اور ایجادات میں بھی نمایاں رہے ہیں۔ فکر وفلسفہ، قانون اور اصول قانون میں بھی ان کے پیش کردہ تصورات ناقابل فراموش ہیں۔(۱۳)

انسان میں جب اعلیٰ فکری وعلمی صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں اور اس کی تخلیقی صلاحیتوں کے نتائج مصنوعات کی صورت میں سامنے آنے لگتی ہیں تو اس بات کا اندیشہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کسی گھمنڈ یا غرور کا شکار نہ ہوجائے، لہٰذا غرور وتکبر کے تصور کو ختم کرنے کے لیے انسان کو اس کی حقیقت سے بھی آگاہ کردیا:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔

جس شخص کی نظر اپنی حقیقت اور اصل پر ہوگی، وہ یقیناً غرور وتکبر کا شکار نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس برائی سے اس لیے روکنا چاہتے ہیں کہ یہ برائی نہ صرف علم وفکر کے ارتقا میں بہت بڑی رکاوٹ ہے، بل کہ مکارم اخلاق اور تہذیبی اقدار کی راہ میں بھی رکاوٹ بنتی ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تکبر، نخوت اور غرور مقاصد شریعہ اور مقاصد دین کی راہ مین رکاوٹ ہیں، لہٰذا اس برائی کا آغاز میں ہی سد باب کرنا ضروری ہے۔

اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ

پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اقر کا لفظ مکرر آیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت اور صفت کرم کے ساتھ آیا ہے۔ یہاں تکرار سے مبالغہ پیدا ہو رہا ہے، مطلب یہ ہے کہ خوب پڑھیے، جس قدر زیادہ پڑھ سکتے ہیں، پڑھیے۔ تکرار تاکید کے لیے بھی آتا ہے، یہاں دونوں مراد ہیں۔ صفتِ ربوبیت اور صفت کرم اس بات کی طرف اشارہ کرر ہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل وکرم ان لوگوں کے ساتھ رہتا ہے، جو طلب علم کی راہ میں مخلصانہ جدوجہد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف انہیں علم سے نوازتا ہے، بل کہ ان کی حصولِ علم کی صلاحیتوں کو بھی زیادہ بہتر کر دیتا ہے۔ اس طرح انسان پر نئے نئے علوم وفنون کے دریچے کھلتے رہتے ہیں۔

الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ

وہ رب کریم جس نے قلم کے ذریعے علم کی اشاعت کی۔

قرأ کے معنیٰ پڑھنے کے ہیں، لیکن یہ لکھنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے، اور علّم، تعلیم کا مطلب ہے باقاعدہ علم سے آراستہ کرنا، تعلیم کے مفہوم میں تربیت بھی شامل ہے، علم میں کمال حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حصولِ علم کی ہر جائز صورت اور طریقے کو استعمال کیا جائے۔

علم کی اشاعت وترویج کے لیے قلم کو اہم مقام حاصل ہے۔ القلم سے مراد ہر وہ آلہ ہے، جو تحریر کو وجود میں لانے کا باعث بنے۔ خواہ وہ قدیم زمانے کا کانے کا قلم ہو یا بعد کے دور کا ترقی یافتہ پین ہو، وہ طباعتی پریس ہو یا دور جدید کا برقی آلہ طباعت (electronic printer) یا پھر مستقبل میں کوئی مزید ترقی یافتہ شکل، سب القلم کے مفہوم میں شامل ہیں۔

قلم کی حرمت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو چیز پیدا

کی وہ قلم ہے۔ پھر اسی قلم سے قرآن حکیم لکھا گیا اور لوح محفوظ میں رکھا گیا۔(۱۴) اسی لیے اللہ تعالیٰ کو قلم کی عظمت و حرمت بہت عزیز ہے۔ اس میں اہل علم اور اہل قلم کے لیے پیغام بھی ہے کہ وہ قلم کی حرمت اور اس کے تقدس کو پامال نہ ہونے دیں، بل کہ اسے اشاعت علم کا ذریعہ بنائے رکھیں۔ قلم اور تحریر بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں۔ یہ نعمت بھی اللہ تعالیٰ نے ابتداء الہامی طور پر عطا فرمائی، تا کہ ہر دور اور زمانے کے علوم نہ صرف ضائع ہونے سے بچ جائیں، بل کہ علوم نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے رہیں اور بعد میں آنے والے اپنے اسلاف کے علوم سے فائدہ اٹھا کر علوم وفنون میں مزید وسعت پیدا کریں، علمی ترقی کو کبھی بھی رکنا نہیں چاہیے۔

عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ

اس نے انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

علم تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور لامتناہی ہے۔ سورہ کہف اور سورہ لقمان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی وسعت کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ (۱۵)

اگر زمین کے سارے درخت قلم بن جائیں، اور سارے سمندر روشنائی بن جائیں، تو بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے علوم تک رسائی کے بہت سے ذرائع رکھے ہیں۔ ان میں سب سے اہم ذریعہ وحی والہام ہے جو انبیائے علیہم السلام کے واسطے سے انسانوں تک پہنچتا ہے، وحی کے ذریعے جو علم حاصل ہوتا ہے، وہ قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اوپر نازل ہونے والی کتاب کو بہت اہتمام کے ساتھ کتابی صورت میں محفوظ کرا دیا۔ سیکڑوں صحابہ کرام کو حفظ بھی کرا دیا اور ہزاروں صحابہ کرام کی عملی زندگیوں میں بھی اسی طرح محفوظ کرا دیا، جس طرح خود رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں محفوظ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کا قول دیکھیے:

کان خلقه القرآن

آپ ﷺ کا اخلاق تو قرآن ہے۔

حصول علم کا ایک اہم ذریعہ انسانی حواس ہیں، انسان ان حواس کو استعمال کر کے بہت کچھ علم

حاصل کر لیتا ہے۔علم انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور حواس اس بنیادی ضرورت کے حصول میں ہمیشہ مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ خاص طور پر انسانی عقل وفکر اور ذہن و دماغ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ انہیں جتنا زیادہ استعمال کیا جائے، اتنی زیادہ حواس کی قوت وصلاحیت بڑھتی جاتی ہے۔قرآن حکیم میں متعدد آیات میں سمع وبصر اور فواد (قلب) کا اس مقصد کے لیے ذکر کیا گیا ہے:

وَاللهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالأَبْصَارَ وَالأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (۱۶)

اللہ تعالیٰ نے تمہیں بطن مادر سے اس طرح پیدا کیا کہ تمہارے پاس کسی چیز کا علم نہ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں سننے، دیکھنے کی صلاحیت دی اور تمہیں دل (عقل ودماغ) دیا، تا کہ تم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بنو۔

انسانیت اور انسانی معاشرے کے لیے جہالت سب سے بڑا خطرہ ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے علم کے بغیر اظہار رائے کرنے یا کسی بات کے پیچھے لگ جانے سے منع فرمایا ہے:

وَلا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولا (۱۷)

جس بات کا علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو، یاد رکھو کہ کان، آنکھ اور دل (تمام حواس) سے باز پرس کی جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سنی سنائی بات دوسروں کو بیان کرنے سے بھی منع فرمایا ہے، اس لیے کہ یہ علم ویقین کے منافی ہے اور جاہلانہ طرز عمل ہے:

كفى بالمرء اثما أن يحدث بكل ماسمع (۱۸)

گناہ کے لیے (ایک دوسری روایت میں کذبا کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے جھوٹ بولنے کے لیے) (یہی کافی ہے کہ انسان ہر سنی سنائی بات لوگوں کو بتانے لگے)۔

لہٰذا حقائق تک پہنچنے کے لیے اور حصولِ علم کی خاطر بحث وتحقیق، عقل وفکر کا استعمال ضروری ہے، تا کہ انسان ظنیات سے نکل کر حقائق اور قطعیات کی دنیا میں قدم بڑھا سکے۔ اسی ضرورت کے تحت دین وشریعت اور تفقہ فی الدین کا تقاضا ہے کہ انسان معلوم کے ذریعے نامعلوم تک پہنچنے کی کوشش کرے، جب انسان حاصل شدہ علم کے ساتھ غور وفکر، تفکر وتدبر اور اپنے تمام حواس کو استعمال

کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے **علم مالم یعلم** (وہ علم جو ابھی تک اس کی دست رس سے باہر ہے) کے دروازے کھول دیتا ہے۔ حافظ ابن کثیر اور علامہ قرطبی نے سورہ العلق کی تفسیر کرتے ہوئے ایک روایت نقل کی ہے:

من عمل بما علم ورثه الله علم مالم يكن يعلم (۱۹)

جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے وہ علم بھی عطا فرما دیتے ہیں جو وہ نہیں جانتا۔

سورۃ العنکبوت کی آخری آیت میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ۝ (۲۰)

جو لوگ ہم تک رسائی کے لیے جدوجہد کرتے ہیں، تو ہم انہیں اپنے تک پہنچنے کے راستوں کی ضرور رہ نمائی کرتے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات ہی علم کا اصل اور حقیقی منبع ہے۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کر لیتا ہے اور پھر اس سے اعانت و مدد طلب کرتے ہوئے کسی بھی شعبہ علم میں محنت کرتا ہے اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو صرف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی رہ نمائی فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نظم تربیت میں یہ اسلوب خاص طور پر نظر آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی ذہانت وفراست، علم وفکر میں وسعت، گہرائی اور استحکام کے لیے تمام ذرائع و وسائل کو بہتر طور پر استعمال کیا۔

حصول علم کا سب سے اہم ذریعہ تو وحی الٰہی ہے، جس سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود صحابہ کرامؓ کے سامنے نازل شدہ وحی کی تشریح و وضاحت فرمائی، اور حکم دیا کہ کتاب اللہ کو سمجھنے اور اس کے مطالب و معانی، اس کے اشارات و دلالات کو سمجھنے کے لیے عقل وفہم، تدبر و تفکر سے کام لیں۔ خود قرآن حکیم نے جا بہ جا عقل وفہم سے کام لینے اور اپنے حواس کو استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔ انسان اپنے حواس کو جس قدر زیادہ سے زیادہ بہتر انداز میں استعمال کرتا ہے، یہ اسی قدر مضبوط ہوتے ہیں، یہ عمل نہ صرف علمی وفکری لحاظ سے طالب علم کو مستحکم کرتا ہے، بل کہ ان میں بہتر نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت بھی پیدا کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام سے ان تمام امور میں مشورہ فرماتے تھے، جن کے بارے

میں وحی خاموش ہوتی تھی اور ان کی رائے اور استدلال کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے تھے، جیسے غزوہ بدر کے موقعہ پر آپ نے حباب بن منذر کی رائے کی تعریف فرمائی، بعض اوقات خود رسول اللہ ﷺ نے استدلال و قیاس کی بنیاد پر صحابہ کرام کے سامنے اپنی رائے رکھی۔ اس انداز تربیت سے اصل مقصد یہ تھا کہ صحابہ کرام بھی اپنی عقل وحواس کو انسان کی خدمت اور تعمیری مقاصد کے لیے استعمال کریں، اور اپنی فکری صلاحیت کو بہتر بنائیں۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ اسلوب تعلیم قرآن حکیم کی تعلیمات سے بالکل ہم آہنگ تھا۔ قرآن حکیم نے بہت کثرت سے عقل وحواس کو استعمال کرنے کا حکم دیا ہے، مومن نہ اپنے گردوپیش سے بے خبر ہوسکتا ہے، نہ ہی کائنات اور مظاہر فطرت سے غافل ہوسکتا ہے۔ (۲۱)

قرآن حکیم کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ وہ مظاہر فطرت، تسخیر کائنات وغیرہ کو ذکر کر کے کہتا ہے:

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۲۲)

ان میں اہل عقل کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

''آیات'' کے پس منظر میں بہت سے علوم مستور ہوتے ہیں، جنہیں اہل عقل وفکر کو دریافت کرنا چاہیے۔ یہی وہ عجائب قرآن ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے:

لا تنقضی عجائبه (۲۳)

کتاب اللہ کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے۔

قرآن حکیم میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے ہر دور اور ہر زمانے میں رہ نمائی ملتی رہے گی اور ہر زمانے میں پیدا ہونے والے مسائل ومشکلات کا حل بھی ملتا رہے گا۔ قرآن کریم نے اس نکتے کو اس طرح بیان کیا ہے:

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ (۲۴)

یہ کتاب جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے بہت بابرکت ہے، اس لیے نازل کی گئی ہے کہ لوگ اس کی آیات میں غور وفکر کریں، اور تاکہ اہل عقل اس سے نصیحت حاصل کریں۔

یہ خطاب ہر دور کے انسانوں کے لیے ہے، اس لیے کہ ہر دور اور ہر زمانے کی مشکلات اور مسائل مختلف ہوتے ہیں۔ جب اہل علم وفکر اپنے دور کے مسائل کو ذہن میں رکھتے ہوئے قرآن حکیم کا

مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں مسئلے کا حل اس کتاب میں ضرور ملتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کسی مسئلے کا حل کسی وقت ایک مجتہد کے ذہن میں نہ آئے، یا اس کی توجہ کسی خاص نکتے کی طرف نہ گئی ہو اور وہ اپنے غور وفکر کی بنا پر ایک رائے قائم کرلے تو وہ اپنے اجتہاد کی بنا پر اجر پائے گا، لیکن مسئلے کا حل قرآن وسنت میں کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہوتا ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے یہ فرمایا تھا کہ **فان لم تجد**، اگر تمہیں نہ ملے، یہ نہیں فرمایا تھا کہ اگر قرآن وسنت میں موجود نہ ہو۔ ہمارے فقہا نے اس نکتے کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ مجتہد خوب غور وفکر کرے اور مسئلے کا حل تلاش کرنے میں اپنی ساری صلاحیتیں صرف کردے۔ **بذل غاية الجهد** اور **بذل غاية الوسع** کا یہی مطلب ہے۔ حضرت عمرؓ نے قاضی شریح کو جو خط لکھا تھا، اس میں بھی یہی بات فرمائی تھی:

> **فان لم يستبن في كتاب الله، فمن السنة، فان لم تجده في السنة فاجتهد رأيك** (۲۵)
>
> اگر کتاب اللہ میں تمہیں وضاحت نہ ملے تو پھر سنت میں تلاش کرو، اور اگر تم سنت میں نہ پاؤ تو پھر اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔

عقل وذہانت کے استعمال کی مثالیں سیرت طیبہ میں ملتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل کے ذریعے صحابہ کرام کی تربیت فرمائی کہ وہ بھی قرآن وسنت کے فہم میں اپنی عقل وفہم کو استعمال کریں۔ امام سرخسی نے رسول اللہ ﷺ کے قیاس واجتہاد کی بہت سی مثالیں جمع کردی ہیں۔ مثلاً ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا کہ اس روزے دار کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لیا ہو، اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا خیال ہے اگر آپ پانی لے کر کلی کریں اور پھر سارا پانی نکال دیں؟ اس میں کوئی حرج ہے؟ (۲۶) یہاں رسول اللہ ﷺ نے بوسہ لینے کو کلی کرنے پر قیاس کیا، جو ہر وضو کرنے والا کرتا ہے۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی کہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے: **وعليها صوم شهر**، ان کے ذمے ایک ماہ کے روزے واجب ہیں، کیا میں ان کی طرف سے ادا کرسکتا ہوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بالکل تم ان کی طرف سے ادا کرسکتے ہو۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا قرض ہے۔ اور اللہ تعالیٰ زیادہ مستحق ہے کہ اس کا حق (قرض) ادا کیا جائے۔ (۲۷)

امام سرخسی نے ایک خاتون خثعمیہؓ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس نے بھی اسی قسم کا سوال کیا تھا، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أرأيت لو كان على ابيك دين فقضيت أكان يقبل منك (۲۸)

تمہارا کیا خیال ہے اگر تمہارے والد کے ذمے قرض ہوتا اور وہ قرض تم ان کی طرف سے ادا کرتیں تو کیا وہ ادا نہ ہوتا؟

یہاں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رائے اور قیاس سے کام لیا۔ قبیلہ جہینہ کی ایک خاتون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری والدہ نے حج بیت اللہ کی نذر مانی تھی، لیکن وہ نذر پوری نہ کرسکیں اور ان کا انتقال ہو گیا تو کیا میں ان کی جانب سے حج کر سکتی ہوں؟ اس سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں تم ان کی طرف سے حج کرو، کیا خیال ہے تمہارا اگر تمہاری والدہ کے ذمے قرض ہوتا اور تم وہ قرض ادا کرتیں تو کیا قرض ادا نہ ہو جاتا؟ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرو کہ وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کا حق ادا کیا جائے۔ (۲۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہادات تو بہت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی آرا اور فیصلوں کو ہمارے فقہا نے اجتہاد کی بحث میں ذکر کیا ہے۔ بعض اہل علم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہادات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہادات اہل علم کے لیے ہمیشہ کے لیے مشعل راہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کی تعلیم و تربیت کا اس طرح اہتمام فرمایا کہ ان میں خود اجتہادی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلے میں دو باتوں کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔ ایک امت کی تعلیم و تربیت اور دوسرے امت کی وحدت۔ جہاں تک حصول علم کا تعلق ہے تو اس کی فرضیت نصوص سے ثابت ہے۔ قرآن حکیم اور سنت طیبہ میں واضح ہدایات ہیں کہ علم کا حصول ہر شخص پر فرض ہے، لیکن لوگوں کو علم سے کیسے آراستہ کیا جائے، ان کی تعلیم و تربیت کے لیے کیسے اور کیا کچھ اہتمام کیا جانا چاہیے کہ ہر شخص اپنی صلاحیت اور استطاعت کے مطابق نہ صرف یہ کہ وہ مختلف علوم وفنون سے بہ آسانی بہرہ ور ہو سکے، بل کہ اپنی فکری و ذہنی صلاحیتوں کو بھی اجاگر کر سکے۔

درپیش مسائل کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غور و فکر کرنا، اپنے صحابہ کرام سے مشورہ کرنا اور پھر کوئی رائے قائم کر کے اس کے لیے اس طرح منصوبہ بندی کرنا کہ عمل درآمد کرنے میں کوئی

رکاوٹ نہ پیش آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منہج اجتہاد تھا، امت کے اہل علم کو بھی یہی اسلوب اجتہاد اختیار کرنا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، جہاں حضرت مصعب بن عمیرؓ کی کوششوں سے اوس وخزرج کے لوگوں کی اچھی خاصی تعداد مشرف بہ اسلام ہو چکی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کا انتخاب بھی اس بنیاد پر فرمایا تھا کہ وہ بہترین معلم تھے۔ اپنے مخاطب کو اس کی ذہنی صلاحیت کے مطابق تعلیم دیتے اور ان کے مزاج وعادات اور نفسیاتی کیفیت کے مطابق ان کی ظاہری وباطنی تربیت فرماتے، وہ بہ حیثیت معلم بہت کامیاب صحابی رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے سے پہلے ہی اہل مدینہ کی تعلیم وتربیت کا منصوبہ بنالیا تھا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کا تقرر اسی پروگرام کا حصہ تھا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی ایک سالہ کارکردگی دیکھنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی اس طرف توجہ فرمائی اور تعلیم وتعلم کی ایسی تحریک برپا کی، جس کی وجہ سے جہالت کے پردے بہت تیزی سے چھٹنے لگے۔

تعلیم وتربیت میں مساجد کا کردار

ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلا کام مساجد کی تعمیر کا انجام دیا۔ مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی قبا کے مقام پر مسجد کی تعمیر کا کام انجام دیا۔ مسجد کی تعمیر صرف مرکز عبادت ہی کے طور پر نہیں کی گئی تھی بل کہ تعلیم وتعلم کے مرکز کے طور پر بھی کی گئی تھی۔ قبا میں تعمیر مسجد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعمیر مسجد کو مقدم رکھا۔

عہد رسالت میں مساجد میں جتنے امور بھی انجام دیے جاتے تھے، وہ سب امت مسلمہ کے لیے حصول علم کا ذریعہ تھے۔ ان امور میں سر فہرست تو نمازوں کا قیام ہے۔ جہری نمازوں میں امام جب بلند آواز سے قرآن حکیم کی تلاوت کرتا ہے تو ہر نمازی اسے غور سے سنتا ہے۔ اور جب لوگ سنن ونوافل پڑھتے ہیں تو وہ خود قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہیں، اور تلاوت کردہ آیات کے مفہوم ومعانی کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن حکیم تو علم الٰہی کا وہ لامتناہی خزانہ ہے، جس کے عجائب وغرائب تا قیامت ختم نہیں ہوں گے۔

نماز جمعہ سے قبل دیا جانے والا خطبہ بھی تعلیم کا اہم ذریعہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی میں بہت جامع خطبات عنایت فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمعہ اور دیگر اہم مواقع پر دیے گئے خطبات محفوظ ہیں اور آج بھی انسانیت کی رہنمائی کا ذریعہ اور علوم کا ماخذ ہیں۔

مسجد ہی وہ مرکز تھا، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام سے اہم امور پر مشورے فرمایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں مشاورتی اجلاس بھی تعلیم وتعلم اور غور وفکر کا ذریعہ ہوتے تھے۔ اس لیے کہ مشاورت میں شریک ہر فرد علم ودلیل کی بنیاد پر بحث وگفت گو میں حصہ لیتا تھا۔ وہ ایک دوسرے کی بات کو غور سے سنتے اور ایک دوسرے کی دلیل کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔ اس طرح مسجد میں منعقد ہونے والے مشاورتی اجلاس شرکا کے لیے نہ صرف علم بل کہ فکر ونظر اور فہم وبصیرت میں بھی وسعت وگہرائی کا سبب ہوتے تھے۔ دور رسالت اور خلفائے راشدین کے زمانے میں اہل شوریٰ زیادہ تر اصحاب اجتہاد ہوتے تھے، وہ ایک طرف تو قرآن وسنت پر گہری نظر رکھتے تھے، ان کی کوشش ہوتی کہ اگر انہیں قرآن وسنت میں صراحتاً مسئلے کا کوئی حل نہ مل سکے تو استدلال واستنباط بھی قرآن وسنت کی اصولی رہنمائی کے دائرے میں رہ کر کیا جائے۔ اور اگر عقل وذہانت کے استعمال کی ضرورت پیش آئے تو وہ بھی دین وشریعت کے دائرے میں رہ کر کیا جائے۔ اس طرح ہر ایک کو دوسروں کی آرا اور منہج استدلال کو سمجھنے کا موقع مل جاتا ہے۔ مشاورت کا یہ انداز معاشرے میں لوگوں کی علمی وفکری ترقی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طریق کار نے صحابہ کرام کی فکری تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔

مسجد عدالتی فیصلوں کا مرکز بھی رہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں عدالتی فیصلے مسجد ہی میں کیے جاتے تھے۔ عدالتی مباحث اور فیصلے محض قیام عدل ہی کا ذریعہ نہیں ہوتے، بل کہ علمی وفکری ترقی کا ذریعہ بھی ہوتے ہیں۔ عہد رسالت میں مدینہ منورہ میں تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیصلے فرمایا کرتے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی موجودگی میں بعض صحابہ کرام کو مقدمات میں فیصلہ کرنے کی ذمے داری سونپی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں، جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مقدمے کا فیصلہ فرمانے کا حکم دیا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا میں آپ کی موجودگی میں فیصلہ کروں؟ آپ خود فیصلہ فرمائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چاہیے ایسا ہی ہو، پھر بھی اس مقدمے میں فیصلہ تم ہی کرو۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے

پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں مقدمے کا فیصلہ کروں گا تو کیا مجھے اس پر اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، اگر تم نے درست فیصلہ کیا تو تمھیں دس گنا اجر ملے گا اور اگر تم نے اپنے طور پر تو عدل وانصاف کرنے اور صحیح نتیجے تک پہنچنے کی کوشش کی، لیکن تم سے غلطی ہوگئی تو بھی تمھیں ایک اجر ضرور ملے گا۔ (۳۰) حضرت علیؓ کو یمن کے ایک علاقے کا قاضی مقرر فرمایا تو انھیں قضا سے متعلق ضروری ہدایات مسجد میں ہی دیں۔ (۳۱)

عہد رسالت میں مسجد میں جو امور بھی انجام پاتے، ان سب کا تعلق کسی نہ کسی طرح تعلیم و تربیت اور تفہیم وتذکیر سے ضرور ہوتا تھا۔ ان سب کا تذکرہ طوالت کا سبب ہوگا، اس لیے مندرجہ بالا چند امور پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی نبوت سے قبل جہالت کی تاریکی اس قدر دبیز اور وسیع تھی کہ اسے ختم کرنے اور علم کی روشنی پھیلانے کے لیے بہت بڑے پیمانے پر تحریک چلانے کی ضرورت تھی۔ مساجد کے ذریعے تعلیم وتعلم کے نظام کو عام کرنے اور خطے کے تمام لوگوں کو علم سے آراستہ کرنے میں طویل وقت لگ سکتا تھا۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے مواخاۃ کا نظم قائم کر کے مدینہ منورہ کے ہر گھر کو ایک تعلیمی ادارے میں ڈھال دیا۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو انصار ومہاجرین کے درمیان علمی اعتبار سے بہت فرق تھا۔ مہاجرین مکہ مکرمہ میں تیرہ برس تک رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہ کر علم وحی کو حاصل کرتے رہے، مقامات وحی کا مشاہدہ کرتے رہے۔ نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ اہل مکہ کے سامنے قرآن حکیم کے مشکل مقامات کی جس طرح تعبیر وتشریح فرماتے تھے، مہاجرین ان سب سے خوب واقف تھے، لیکن انصار مہاجرین کی بہ نسبت علم کے میدان میں پیچھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ انصار ومہاجرین کے درمیان علمی فرق جلد از جلد ختم ہوجائے، اور ہر فرد علم کے میدان میں نمایاں ہوکر اپنا کردار ادا کرے۔ انصار کا تعلیمی معیار بلند کرنے اور اسے مہاجرین کی علمی سطح تک لانے کے لیے آپ ﷺ نے انصار ومہاجرین کے مابین مواخاۃ کا عمل کرایا، تاکہ دونوں اپنے اپنے علوم وتجربات ایک دوسرے کو منتقل کریں۔ (۳۲)

تاریخ انسانی میں اصلاح اور فلاح وبہبود کا کوئی عمل اس قدر مشکل نہیں رہا، جس قدر مشکل کام موالی کی علمی وفکری سطح کو بلند کرنا اور انھیں آزاد لوگوں کی سطح پر لانا ہوتا ہے۔ مواخاۃ کے عمل نے اس

مشکل ترین کام کو آسان کر دیا۔ مدینہ منورہ کا ہر گھر ایک درس گاہ کی حیثیت اختیار کر گیا، جہاں تعلیم و تربیت کا سلسلہ شب و روز جاری رہتا۔ غلاموں اور کنیزوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ ان کی عزت نفس اور معاشرے میں ان کے شرف و احترام کو پوری طرح ملحوظ رکھا جاتا۔ حصولِ علم کی انہیں وہ تمام سہولتیں میسر تھیں جو آزاد لوگوں کو حاصل تھیں۔ قرآن وسنت کی تعلیمات کا مسلمانوں پر اس قدر اثر تھا کہ وہ موالی کی تعلیم وتربیت پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ موالی بھی ان مواقع سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیمی سلسلہ منظم فرمایا تو مختلف علوم وفنون کے متخصصین بھی تیار کیے۔ ماہرین قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا کہ قرآن حکیم کا علم ان چار افراد سے حاصل کرو۔ ان چار میں ایک حضرت سالم مولی ابی حذیفہؓ بھی تھے۔(۳۳)

حضرت سلیمان بن یسارؒ، ام المومنین حضرت میمونہؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ام المؤمنین نے انہیں حصول علم کے لیے تمام سہولتیں مہیا کی تھیں، سلیمان بن یسار نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے علم حاصل کیا۔ سلیمان بن یسار کی علمی صلاحیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ معروف فقیہ حضرت سعید بن المسیبؒ کے پاس جب کوئی شخص مسئلہ پوچھنے یا اپنی علمی الجھن کو دور کرنے کے لیے آتا تو وہ اسے سلیمان بن یسارؒ کے پاس بھیج دیتے۔ امام مالکؒ جیسے جلیل القدر فقیہ ان کے تفقہ اور علمی صلاحیتوں کے قائل تھے۔(۳۴)

موالی میں مجاہد بن جبیر کو بلند مقام حاصل ہے، وہ مکہ مکرمہ میں درجہ افتا پر فائز تھے، انہوں نے بہت سے صحابہ کرامؓ سے علم حاصل کیا، لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے گہرا تعلق رہا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ صحابہ کرام میں علوم القرآن کے سب سے بڑے عالم تھے۔ مجاہد نے ان کی نگرانی میں قرآن حکیم تین مرتبہ پڑھا۔ اس طرح پڑھا کہ ہر ہر آیت پر رک کر آیت مبارکہ کے نزول کے پس منظر، زمانے وغیرہ کے بارے میں دریافت کرتے۔(۳۵) اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس شخص نے ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سبقاً سبقاً تین مرتبہ قرآن حکیم پڑھا ہو، اس کا علوم القرآن میں کیا مقام ہوگا۔

حضرت عکرمہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، انہوں نے حضرت

عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے علم حاصل کیا۔ وہ فقہ عبداللہ بن عباسؓ کے سب سے بڑے عالم تھے، امام شعبی فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ کو عکرمہ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔(۳۶)

علم کے میدان میں موالی کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ ان سب کی خدمات کا احاطہ تو اس مختصر مقالے میں نہیں کیا جاسکتا۔ موالی کو عہد رسالت میں جو مقام اور سہولتیں میسر تھیں، ان کی وجہ سے وہ دور رسالت ہی میں نمایاں ہونے لگے تھے۔ مثال کے طور پر زید بن حارثہ، اسامہ بن زید، سالمؓ مولی ابی حذیفہ، بلال بن رباح رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ عہد خلفائے راشدین میں موالی کو مزید نمایاں ہونے کا موقع ملا، پھر دور تابعین و تبع تابعین میں علمی وفکری قیادت میں موالی بہت بلند مقام حاصل کر گئے۔ اِس وقت علوم تفسیر اور علوم حدیث کا جو عظیم الشان ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے، اسے محفوظ کرنے اور آئندہ نسلوں تک منتقل کرنے میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔(۳۷)

علم کی نشر و اشاعت اور خدمت میں باندیاں اور مولاۃ (آزادشدہ باندی) بھی پیچھے نہیں رہیں۔ انہوں نے بھی علوم کی ترویج وترقی میں اپنا کردار ادا کیا۔ حضرت عُلَیّہ بنت حسان بصریہ بنو شیبان کی آزادکردہ باندی تھیں۔ علم وفضل میں ان کا مقام اس قدر بلند تھا کہ بصرہ کے علما وفقہا ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ان سے علمی موضوعات پر گفت گو کرتے۔(۳۸) اسی طرح حضرت سدرہ ابن عامر کی آزادکردہ باندی تھیں، انہیں حضرت عائشہؓ سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے اور ان سے حدیث بھی روایت کی ہے۔ بہت سی اہل علم خواتین نے سدرہ سے روایت حدیث کی ہے۔(۳۹)

منیہ کاتبہ خلیفہ معتمد علی اللہ عباسی کی باندی تھیں، فنِ کتابت وانشا میں خاص شہرت رکھتی تھیں۔ اپنے فن خطاطی کی وجہ سے الکاتبہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ حدیث کی تعلیم انہوں نے شیخ ابوالطیب محمد بن اسحاق سے حاصل کی، اور عبیداللہ بن حسین بزاز انباری نے ان سے روایت کی۔(۴۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعارف کردہ علمی تحریک کا نتیجہ یہ تھا کہ حصول علم میں امت کے سب ہی افراد یکساں شریک رہے۔ اسلام میں حصول علم میں اشتغال بہت بڑی عبادت تھی، اور ایسی عبادت تھی جس کے پابند صرف مسلمان اور اہل ایمان ہی نہیں تھے بل کہ مملکت کے غیر مسلموں کے لیے بھی حصول علم کے یکساں مواقع میسر تھے۔

انسانی تاریخ میں ایسی کوئی اور مثال نہیں ملتی کہ کوئی علمی تحریک اس قدر قوت، جذبے اور ذوق

کے ساتھ چلائی گئی ہو۔ پہلی صدی ہجری کی یہ علمی تحریک اس قدر مضبوط تھی کہ آنے والی کئی صدیوں تک انسانی معاشروں کو نئے نئے علوم وفنون سے متعارف کراتی رہی۔ قرآن وسنت اور فقہ وسیرت تو تھے ہی خالص مسلمانوں کے علوم، مسلمان اہل علم نے ہر شعبۂ علم میں خواہ اس کا تعلق فلکیات سے ہو یا جغرافیے سے، فلسفے سے ہو یا طب سے، علم کیمیا سے تعلق ہو یا طبعیات سے، زبان وادب سے تعلق ہو یا فنون لطیفہ سے، علم ریاضی سے تعلق ہو یا علوم صنعت وحرفت اور تجارت سے، غرض ہر شعبہ، علم مسلمانوں کا ممنون احسان رہا ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جسے اپنا کر ہم پھر سے تہذیب وترقی کی منازل طے کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ یہی وہ راستہ ہے جو جمود ویاس کی چھائی ہوئی موجودہ کیفیت کو ختم کر سکتا ہے جو استعماری دور سے مسلم امہ پر چھائی ہوئی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا

حوالے

۱۔ دیکھیے: فاروقی، محمد یوسف۔ فنی، سائنسی اور انسانی علوم کی حقیقت فقہ وشریعت کے تناظر میں۔ دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۱۸ء: ص ۱۴، ۲۰

۲۔ ابن کثیر۔ تفسیر القرآن الکریم: ج ۴، ص ۱۵۶

۳۔ الاحقاف: ۴

۴۔ الروم: ۵۰

۵۔ الروم: ۵۰

۶۔ المؤمن: ۲۱

۷۔ المؤمن: ۸۰

۸۔ النحل: ۷۸

۹۔ اس کی مثالیں تدبر قرآن میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اصلاحی، امین احسن۔ تدبر قرآن: ج ۸، ص ۴۵۳

۱۰۔ قرآن حکیم کا یہ معروف اسلوب ہے کہ وہ مظاہر فطرت کو ذکر کرنے کے بعد اس طرح توجہ دلاتا ہے۔ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (الجاثیہ: ۱۳) إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (النحل: ۶۷) مظاہر فطرت میں غور وفکر اور آیات کے پس منظر میں علوم وفنون ایک مستقل اور الگ موضوع ہے، اس مقالے میں اس پر بحث نہیں کی جاسکتی۔ اس موضوع پر علیحدہ بحث کی جائے گی۔

۱۱۔ الاصفہانی، راغب۔ مفردات الفاظ القرآن: لفظ خلق، دلیل میں وہ زھیر کا یہ شعر پیش کرتے ہیں: **فلأنت تفری ما خلقت و بعض القوم یخلق ثم لا یفری**

۱۲۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرہ: ۲۹) یہ اللہ تعالیٰ کی ذات جس نے وہ سب کچھ جو زمین میں موجود ہے تمہارے فائدے کے لیے پیدا کیا: وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ. وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ. ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ (النجم: ۳۹-۴۱)

۱۳۔ فلسفہ، علم ہیئت، طب، کیمیا، جغرافیہ، زراعت، طبعیات، فلکیات وغیرہ علم میں کندی فارابی، بوعلی سینا، ابن طفیل، ابن رشد، ابن مسکویہ، ابن الہیثم، ابن خلدون اور بہت سے مسلمان اہل علم کا نمایاں کردار رہا ہے۔

۱۴۔ ابن کثیر۔ تفسیر القرآن العظیم۔ دار النھضہ، بیروت ۱۹۹۶ھ: ج ۴۔ تفسیر سورہ القلم، ص ۴۰۲ دیکھیے

روایت عبادۃ بن الصامت: اول ما خلق القلم

۱۵۔ لقمان: ۲۷

۱۶۔ ۔النحل: ۷۸

۱۷۔ الاسراء: ۳۶

۱۸۔ ابوداؤد۔السنن۔کتاب الادب، باب التشدید فی الکذب۔اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد یوسف فاروقی Social Problems of Rumour Mongering ، دعوہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

۱۹۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، تفسیر سورہ العلق: ج ۴، ص ۵۳۰

۲۰۔ العنکبوت: ۶۹

۲۱۔ بہ طور مثال دیکھیے: النحل: ۱۰-۱۴۔۶۷۔۶۹۔الانعام: ۶۵۔۹۶۔یونس: ۲۴

۲۲۔ النحل: ۱۲

۲۳۔ یہ جملہ ایک طویل روایت کا حصہ ہے، اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن حکیم کی ۱۹ خصوصیات کو ذکر فرمایا ہے: کتاب اللہ، **فیہ نبأ ما کان قبلکم، وخبر ما بعد کم، وحکم ما بینکم، وھو الفصل لیس بالھزل... الخ**۔الترمذی۔ جامع الترمذی: کتاب فضائل القرآن، باب ما جاء فی فضل القرآن، نمبر ۲۹۰۶

۲۴۔ ص: ۲۹

۲۵۔ محمد البلتاجی۔منہج عمر بن الخطاب فی التشریع: ص ۵۹

۲۶۔ السرخسی۔ اصول السرخسی۔دار المعارف النعمانیہ، لاہور ۱۹۸۱: ج ۲، ص ۱۳۰۔روایت کو ابوداؤد نے اپنی السنن میں نقل کیا ہے۔دیکھیے: کتاب الصیام، باب القبلہ للصائم القرافی۔شہاب الدین۔نقائس الاصول فی شرح المحصول۔دار الکتب العلمیہ، بیروت ۲۰۰۰ء: ج ۴، ص ۷۴

۲۷۔ البخاری۔الجامع الصحیح۔کتاب الصوم، باب من مات وعلیہ صوم، نمبر ۱۹۵۳

۲۸۔ السرخسی۔اصول السرخسی: ج ۲، ص ۹۳

۲۹۔ البخاری: کتاب الحج، باب الحج والنذور عن المیت، نمبر ۱۸۵۲

۳۰۔ فاروقی، محمد یوسف۔عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل: ص ۱۳۷۔مجاہد الاسلام قاسمی۔اسلامی عدالت: ص ۱۵۔مسند احمد

۳۱۔ عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت: ص ۱۳۵

۳۲۔ مواخاۃ کے لیے دیکھیے: فاروقی، عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت: ص ۵۸

۳۳۔ الخزاعی، ابوالحسن علی بن محمد۔ تخریج الدلالات السمعیہ۔ لجنہ احیاء التراث الاسلامی، القاہرہ ۱۹۸۰ء، ۱۴۰۱ھ: ص ۱۳۳۔ حضرت سالمؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے، یہاں ان کا قیام قبا میں اس مقام پر تھا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد مسجد تعمیر فرمائی۔ سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ یہاں لوگوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ (دیکھیے: عہد نبوی میں نظام تعلیم۔ مولانا عبدالمعبود۔ مکتبہ رحمانیہ، لاہور ۲۰۰۱ء: ص ۴۳۔ بہ حوالہ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم

۳۴۔ محمد الخضری۔ تاریخ فقہ۔ ترجمہ محمد تقی عثمانی۔ دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۶۵ء: ص ۱۷۷۔

۳۵۔ محمد الخضری۔ تاریخ فقہ: ص ۱۸۰

۳۶۔ محمد الخضری۔ تاریخ فقہ: ص ۱۸۰۔ عمر سلیمان الاشقر۔ تاریخ الفقہ الاسلامی۔ دار النفائس، کویت ۱۹۸۹ء، ۱۴۱۰ھ: ص ۹۰

۳۷۔ آسمانِ علم کے چند نمایاں موالی: مجاہد بن جبر، عطاء بن رباح، ابوالزبیر محمد بن مسلم، سعید بن جبیر، ابوالعالیہ رفیع بن مہران، حسن بن ابوالحسن سیار، زید بن ثابت، محمد سیرین، مکحول بن ابی مسلم، یزید بن حبیب، طاوس بن کیسان، یحییٰ بن کثیر، نافع بن ابی نعیم، عبداللہ بن کثیر، علی بن حمزہ کسائی

۳۸۔ قاضی اطہر مبارک پوری۔ خواتین اسلام کی دینی و علمی خدمات۔ مکتبہ العلم، لاہور ۲۰۰۰ء: ص ۵۶۔۵۷

۳۹۔ مبارک پوری: ص ۲۷۔ بہ حوالہ الاکمال

۴۰۔ ایضاً: ص ۱۰۰۔ بہ حوالہ تاریخ بغداد